اقبال اور وحدت ملی

محمد ریاض

وحدت ملی کے اجزاء و عناصر :

آج کل سیاسیات کی کتابوں میں وطن اور قوم کے کئی مادی عناصر بتائے جاتے ہیں ۔ مگر اقبال نے اسلامی تعلیمات کے مطابق ہمیں وحدت ملی کے روحانی اور دینی عناصر کی طرف متوجہ کیا ہے ۔ ایک جغرافیائی وطن کی احتیاج مسلّم ہے ۔ مگر مسلمان اس خطہ زمین سے محبت رکھنے کے باوجود اس کا پابند نہیں ہو جاتا ۔ وہ رب العالمین پر ایمان رکھتا ہے اور رحمۃ اللعالمین کی اُمت کا جزو بنتا ہے ۔ لہذا سارے جہاں کے انسانوں سے بالعموم اور مسلمانوں سے بالخصوص اس کی وابستگی غیر متزلزل رہتی ہے ۔ 'مذہب' کے عنوان سے ایک قطعے میں علامہ اقبال نے اس نکتے کو واضح کیا ہے کہ مسلمانوں کی ملت اور قومیت کی بنیاد روحانی اور دینی ہے اور وہ ملک یا نسب پر منحصر نہیں ۔ لہذا مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ دین کا دامن مضبوطی سے تھامے رہیں :

اپنی ملت پر قیاس اقوام مغرب سے نہ کر
خاص ہے ترکیب میں قوم رسول ﷺ ہاشمی
ان کی جمعیت کا ہے ملک و نسب پر انحصار
قوت مذہب سے مستحکم ہے جمعیت تری
دامن دین ہاتھ سے چھوٹا تو جمعیت کہاں
اور جمعیت ہوئی رخصت تو ملت بھی گئی[1]

مندرجہ بالا قطعے کا آخری شعر خصوصیت کے ساتھ توجہ طلب ہے ۔ اقبال فرماتے ہیں کہ دامن دین کو مضبوطی سے پکڑنے سے مسلمانوں کو

۱۔ ''بانگ درا'' ، ص ۲۷۹ ۔

جمعیت اور اتحاد نصیب ہوتا ہے اور اس سے ان کی ملت عالم وجود میں آتی ہے کیوں کہ منتشر اور غیر متحد افراد کسی ملت کی تشکیل نہیں دے سکتے ۔

اقبال نے ملت اسلامیہ کے بنیادی عناصر ایسے دو عقائد بتائے ہیں جن کے بارے میں مسلمانوں کے کسی فرقہ یا گروہ کو کوئی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ ان عقائد کو ہم توحید اور رسالت ، (ختم نبوت) کے نام سے جانتے ہیں ۔ ان دو عقائد کی حضرت علامہ اقبال نے بڑی دل پذیر تعبیرات پیش کی ہیں اور حقیقت یہ ہے کہ اگر مسلمان ان دو عقائد کے مضمرات کی طرف متوجہ رہیں تو ان میں اختلافات پیدا ہی نہیں ہو سکتے ۔

توحید :

توحید کے عام معانی یہ ہیں کہ خدائے واحد کی ذات اور صفات کو ممتاز جانا جائے ، خدا کی ہی عبادت کی جائے اور دنیا کے ہر کام میں اس کو دخیل سمجھا جائے اور کسی غیر کو اس کی ذات یا صفات میں شریک نہ سمجھا جائے ۔ اقبال کو ان معانی سے انکار نہیں مگر وہ خاص معانی پر بھی توجہ دلاتے ہیں ۔ وہ فرماتے ہیں کہ ایک خدا کو ماننے والی اُمت فکر و عقیدہ کی طرح عمل اور پالیسی میں بھی متحد و متفق رہتی ہے ۔ اقبال کے نزدیک خالص توحید کا عقیدہ اس وقت صرف مسلمانوں کی متاع ہے کیوں کہ دوسرے ادیان والوں نے چشمہ توحید کو گدلا کر رکھا ہے ۔ مگر اس عقیدے کا لازمہ یہ ہے کہ مسلمان فکر کے ساتھ ساتھ عمل کے اعتبار سے بھی متحد ہوں اور ان کی قومی پالیسیوں میں انتشار اور پراگندگی نظر نہ آئے ۔ حضرت علامہ نے ذیل کے معنی خیز قطعے کا عنوان ، توحید رکھا ہے :

زندہ قوت تھی جہاں میں یہی توحید کبھی
آج کیا ہے ؟ فقط اک مسئلہ علم کلام
روشن اس ضو سے اگر ظلمت کردار نہ ہو
خود مسلماں سے ہے پوشیدہ مسلماں کا مقام
میں نے اے میر سپہ تیری سپہ دیکھی ہے
قل ھواللہ کی شمشیر سے خالی ہیں نیام
آہ ! اس راز سے واقف ہے نہ مُلا نہ فقیہہ
وحدت افکار کی بے وحدت کردار ہے خام

قوم کیا چیز ہے ، قوموں کی امامت کیا ہے
اس کو کیا سمجھیں یہ بیچارے دو رکعت کے امام[۲]

اقبال فرماتے ہیں کہ ملتِ اسلامیہ کا مستقل نصب العین یہ ہونا چاہیے کہ عقیدہ توحید کی نشر و اشاعت کرتی رہے ۔ اُنھوں نے توحید کی دیگر برکات پر بھی لکھا ہے جیسے موحد غیراللہ کے آگے گردن نہیں جھکاتا ، وہ غم و حزن سے محفوظ رہتا ہے اور غیرمعمولی قوتِ ایمان سے مالا مال ہوتا ہے ۔ مگر توحید کے وحدت آموز پہلو پر اُنھوں نے زیادہ وضاحت کے ساتھ لکھا ہے ۔ مثنوی رموزِ بےخودی کے آخر میں اُنھوں نے اخلاص یا توحید نام کی سورت (۱۱۲) کی ایک بصیرت افروز تفسیر بھی لکھی ہے ۔ اس تفسیر کا مدعا یہ ہے کہ عقیدہ توحید نے مسلمانوں کو ایک متحد ، مستقل اور بےنظیر ملت بنایا ہے ۔ آئیے سورہ مذکور کی آیات پر ملی نقطہ نگاہ سے غور کریں :

قل ھواللہ احد	آپ کہیں کہ اللہ ایک ہے
اللہ الصمد	اللہ بےنیاز ہے
لم یلد و لم یولد	نہ اس نے کسی کو جنا اور نہ وہ کسی سے جنا گیا ہے ۔
و لم یکن لہ کفواً احد	اور اس کی برابری کا دوسرا کوئی نہیں ۔

اقبال نے ان چاروں آیات کی تفسیر میں جو باتیں لکھی ہیں ، ان کے اہم نکات یہ ہیں : پہلی آیت 'قل ھواللہ احد' کی توضیح میں وہ فرماتے ہیں کہ تخلقوا با اخلاق اللہ کے مطابق مسلمان اللہ کے اخلاق اور طریقہ اپنائیں اور خدائے واحد پر کامل ایمان رکھنے کی مناسبت سے خود متحد اور متفق بنیں ۔ دوسری آیت 'اللہ الصمد' کا تقاضا ہے کہ مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں استغنا برتیں ۔ بحیثیت فرد کے اپنے پاؤں پر کھڑے ہوں اور قوم کی حیثیت سے بھی دوسروں کے دست نگر نہ بنیں ۔ تیسری آیت کریمہ 'لم یلد و لم یو لد' مسلمانوں کو محدود وطنیت ، ذات ، رنگ ، نسل ، زبان اور اس قبیل کی ان تمام نسبتوں سے آزاد رہنے کا درس دیتی ہے جنھیں

۲- ''ضرب کلیم'' ، ص ۲۵ ۔

غیر مسلم ماہرین سیاسیات قومیت کے اجزاء بتاتے ہیں ۔ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کی ملت ، ایک عالمگیر ملت ہے ۔ چوتھی آیہ مبارکہ 'و لم یکن لہ کفواً احد' میں مسلمانوں کو ایک بے نظیر اور ممتاز قوم بننے کا اشارہ ملتا ہے کیوں کہ توحید خالص کی علم بردار ملت ، غیر توحیدی قوموں کے شبیہ نہیں ہوتی ۔ خلاصہ یہ کہ مسلمان قوم کو متحد ، بے نیاز ، قیود و حدود سے آزاد اور دوسری اقوام سے ممتاز ہونا چاہیے اور سورہ اخلاص ان ہی امور کی طرف اشارہ کرتی ہے ۔

رسالت :

ہر نبی و رسول نے ایک ملت و قوم کی تشکیل کی ہے مگر آخری نبی حضرت محمد مصطفٰی صلی اللہ علیہ وسلم ، رسالت و نبوت کی اور ہی شان ہے کیوں کہ آپ ختم نبوت اور عالمی رسالت کے حامل تھے ۔ عقیدہ ختم نبوت کا لازمہ ہے کہ مسلمان متحد رہیں اور اپنے دین کی تجدید پر توجہ دیں یعنی اسلامی تعلیمات کی روشنی میں زندگی کے نئے مسائل کا حل تلاش کرتے رہیں ۔ اقبال نے اپنے سات انگریزی خطبات میں سے ایک خطبہ نظام اسلام کی حرکت پزیری کے لیے مخصوص کیا ہے ۔ علامہ مرحوم نے اس خطبے میں قرآن مجید ، حدیث و سنت رسول ، اجماع اور قیاس (اجتہاد) کی مدد سے تجدید دین کے اصول بتائے ہیں ۔ اقبال نے رسالت محمدیہ کی مخصوص صورت (ختم نبوت) کو توحید کے بعد مسلمانوں کے اتحاد کا بہت بڑا موجب قرار دیا ہے ۔ اقبال کے معنوی مرشد مولانا جلال الدین رومی (وفات ۱۲۷۳/۵۶۷۲ء) کے سات خطبات میں ایک خطبے میں رومی نے یوں فرمایا ہے کہ سنت رسول مسلمانوں کے اتحاد کا موجب رہی ہے اور رہے گی ۔ حضرت علامہ اقبال نے اس بات کو ختم نبوت ، حدیث و سنت اور عشق رسول وغیرہ کے حوالے سے بار بار سمجھانے کی کوشش کی ہے ۔ اقبال عصر حاضر میں عشق رسول کے بہت بڑے مبلغ تھے ۔ انھوں نے نبی اکرم کی ذات سے حقیقی اُنس و وفا رکھنے کو مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی پراگندگی کا مداوا بنایا ہے ۔ جواب شکوہ کے آخری چار بند اقبال نے اسی درس کے لیے مخصوص کیے ہیں کہ عشق رسول ہی مسلمانوں کے اتحاد اور ان کے معنوی ارتقاء کا موجب ہے :

مثل بو قید ہے غنچے میں پریشاں ہو جا
رخت بردوش ہوائے چمنستان ہو جا

ہے تنک مایہ تو ذرے سے بیاباں ہو جا
نغمۂ موج سے ہنگامۂ طوفاں ہو جا
قوتِ عشق سے ہر پست کو بالا کر دے
دہر میں اسم محمدؐ سے اُجالا کر دے
ہو نہ یہ پھول تو بلبل کا ترنم بھی نہ ہو
چمن دہر میں کلیوں کا تبسم بھی نہ ہو
یہ نہ ساقی ہو تو پھر مے بھی نہ ہو خم بھی نہ ہو
بزمِ توحید بھی دنیا میں نہ ہو تم بھی نہ ہو
خیمۂ افلاک کا استادہ اسی نام سے ہے
نبض ہستی تپش آمادہ اسی نام سے ہے
دشت میں ، دامنِ کہسار میں ، میدان میں ہے
بحر میں ، موج کی آغوش میں طوفان میں ہے
چین کے شہر ، مراقش کے بیابان میں ہے
اور پوشیدہ مسلمان کے ایمان میں ہے
چشمِ اقوام یہ نظارہ ابد تک دیکھے
رفعتِ شانِ ، رفعنا لک ذکرک ، دیکھے
مردمِ چشم زمین یعنی وہ کالی دنیا
وہ تمھارے شہدا پالنے والی دنیا
گرمیٔ مہر کی پروردہ ، ہلالی دنیا
عشق والے جسے کہتے ہیں بلالی دنیا
تپش اندوز ہے اسی نام سے پارے کی طرح
غوطہ زن نور میں ہے آنکھ کے تارے کی طرح
عقل ہے تیری سپر ، عشق ہے شمشیر تیری
مرے درویش ! خلافت ہے جہانگیر تری
ماسوا اللہ کے لیے آگ ہے تکبیر تیری
تو مسلماں ہو تو تقدیر ہے تدبیر تیری
کی محمدؐ سے وفا تو نے تو ہم تیرے ہیں
یہ جہاں چیز ہے کیا ، لوح و قلم تیرے ہیں[۳]

۳- ''بانگ درا'' ، ص ۲۳۱ - ۲۳۲ -

اقبال نے مسلمانوں کو عشقِ رسول کی طرف متوجہ کرنے کے لیے بعض بزرگانِ دین کا ذکر عاشقانِ رسول کے طور پر کیا ہے مثلاً حضرت ابوبکر صدیقؓ ، حضرت بلالؓ ، حضرت سلمان فارسیؓ ، حضرت کعبؓ ، حضرت عبداللہ ابن مسعودؓ ، نواسہ رسول حضرت علی زینبی (ابنِ زینب و ابو العاصؓ) ، امام مالک ، بایزید بسطامی اور امام بوصیری وغیرہ کا۔ توحید و رسالت کے عقائد کے ساتھ کئی دیگر عقائد اور شعائر منسلک ہو کر مسلمانوں کی وحدت ملی کو عملی بناتے ہیں ، مذکورہ نظم میں اقبال نے فرمایا ہے :

منفعت ایک ہے اس قوم کی ، نقصان بھی ایک
ایک ہی سب کا نبیؐ دین بھی ، ایمان بھی ایک
حرمِ پاک بھی ، اللہ بھی ، قرآن بھی ایک
کچھ بڑی بات تھی ہوتے جو مسلمان بھی ایک
فرقہ بندی ہے کہیں اور کہیں ذاتیں ہیں
کیا زمانے میں پنپنے کی یہی باتیں ہیں ؟[۴]

قرآن مجید اور احادیثِ رسولؐ میں مسلمانوں کی وحدتِ ملی کی واضح تلقینات اور ہدایت موجود ہیں ۔ مسلمان ایک دوسرے کے بھائی بھائی قرار دیے گئے ہیں ۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ اگر بھائیوں کے درمیان اختلاف ہو ، تو دوسرے بھائیوں کو کوشش کرکے اسے رفع کر دینا چاہیے (آیہ ۱۰ ، سورہ ۴۹) ۔ آنحضرت نے مسلمانوں کو کسی عمارت کی اینٹوں کے شبیہ بتایا ہے کہ ہر اینٹ دوسری اینٹ کو سہارا دیتی ہے ۔ اسی طرح ہر مسلمان دوسرے مسلمان کو سہارا دیتا ہے اور اس کے ساتھ تعاون کرتا ہے ۔ مکہ مکرمہ سے یثرب یعنی مدینہ منورہ میں ہجرت فرما کر نبی اکرمؐ نے مہاجرین اور انصار کے درمیان جو رشتہ مواخات قائم کیا تھا ، وہ اس اخوت کا عملی نمونہ تھا ۔ اسلام سے قبل عربوں کا انتشار ایک معلوم امر تھا ۔ وہ کئی قبیلوں میں منقسم تھے ۔ نبی اکرم نے اسلامی تعلیمات کے ذریعے انھیں ایک مثالی اتحاد کا حامل بنایا ۔ وہ آپس میں بے حد مہربان تھے ، مگر باطل قوت کے خلاف سینہ سپر ہونا ان کا معمول تھا (قرآن مجید

۴۔ ''بانگ درا'' ، ص ۲۲۳ ۔

آیہ ۲۹ - سورہ ۴۸) -

ہو حلقۂ یاراں تو بریشم کی طرح نرم
رزمِ حق و باطل ہو تو فولاد ہے مومن ۵

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ انسان جو مختلف قبیلوں اور فرقوں سے منسوب ہیں ، یہ محض شناخت کی سہولت کی خاطر ہے اور یہ نسبت کسی طرح بھی باعث فضیلت نہیں - کیوں کہ فضیلت تو تقویٰ اور خدا ترسی کے ذریعے ہاتھ لگتی ہے (۳ : /۴۹) - خدائے تعالیٰ مسلمانوں کو یہ احساس یاد دلاتا ہے کہ اس نے انھیں بھائی بھائی بنایا ہے حقیقت یہ ہے کہ حقیقی اسلامی معاشرہ وہ ہے جس میں اتحاد و اتفاق ہو ، ملتی یک جہتی ہو اور بقول اقبال اخوت ، حریت اور مساوات کا دور دورہ ہے - البتہ مسلم حیات اجتماعیہ کے ان سہ گانہ اصولوں کی کسی قدر وضاحت ضروری ہے کیوں کہ موجودہ زمانے میں ان الفاظ کے معانی دگرگوں ہوگئے ہیں - اخوت یعنی بھائی چارہ - مسلمان معاشرے کے لوگ ایک دوسرے کو بھائی جانتے ہیں اور ادنیٰ اعلیٰ و بالغ مسلمان بھی قابلِ توجہ مانا جاتا ہے - اور کسی ایک کا فیصلہ دوسروں کے لیے قابلِ احترام ہونا چاہیے - اقبال نے مثنوی رموزِ بے خودی میں حضرت ابو عبیدہ ثقفیؓ کا ایک واقعہ نظم کیا ہے - اس جنگ کے دوران ایرانی افواج کا ایک اعلیٰ افسر ، جابان ، ایک مسلمان سپاہی کے ہاتھ اسیر ہوا مگر کسی حیلے بہانے سے اس نے مسلمان سپاہی سے جان کی امان حاصل کر لی - جابان کی اصلیت سے جب مسلمان آگاہ ہوئے تو اُنھوں نے حضرت ابو عبید ثقفیؓ سے مطالبہ کیا کہ اسے قتل کر دیا جائے کیونکہ اس نے دھوکے سے امان حاصل کی تھی - مگر مسلمانوں کے سپہ سالار نے اس مطالبے سے اتفاق نہ کیا - اُنھوں نے فرمایا کہ جابان کو ہمارے ایک مسلمان بھائی نے پناہ دی ہے ، لہذا ہم پر واجب ہے کہ اس کے فیصلے کا احترام کریں - اقبال فرماتے ہیں کہ اخوت کا عملی پہلو یہی ہے جو اسلام کے شورائی نظام میں پنپتا رہا ہے - حریت یعنی آزادی - یہ آزادی بڑی جامع ہے یعنی گفتار اور عمل کی آزادی - اسلام نے انسانوں کی بامقصد حریت کا تصور دیا اور مسلم معاشرے میں

۵- ''ضرب کلیم'' ، ص ۵۴ -

اسے نافذ کیا ۔ چنانچہ خدا و رسول کے احکام کی پابندی کے تحت مسلم معاشرہ ہر قسم کی تمدنی اور معاشرتی حریت کا حامل ہے ۔ موجودہ دور میں حریت کو جمہوریت کہہ سکتے ہیں مگر اقبال کو مغربی طرز کی ''بے مادر و پدر'' جمہوریت پسند نہ تھی مثلاً فرمایا :

جو دوقِ فطرت سے نہیں لائقِ پرواز
اس مرغک بیچارہ کا انجام ہے افتاد
ہر سینہ نشیمن نہیں جبریلِ امیں کا
ہر فکر نہیں طائرِ فردوس کا صیّاد
اس قوم میں ہے شوخیٔ اندیشہ خطرناک
جس قوم کے افراد ہوں ہر بند سے آزاد
گو فکرِ خدا داد سے روشن ہے زمانہ
آزادیٔ افکار ہے ابلیس کی ایجاد[۶]

یا

آزادیٔ افکار سے ہے ان کی تباہی
رکھتے نہیں جو فکر و تدبر کا سلیقہ
ہو فکر اگر خام تو آزادیٔ افکار
انسان کو حیوان بنانے کا طریقہ[۷]

مساوات یعنی برابری ۔ اس سے مراد قانون کی نظر میں برابری ہے ۔ اسلام کی رو سے معاشرے کا ہر چھوٹا یا بڑا شخص قانون کے سامنے جواب دہ ہے ۔ تاریخِ اسلام میں ایسے واقعات کی کمی نہیں جن کی رو سے معمولی سے معمولی مظلوم کی داد رسی کی گئی اور اعلیٰ سے اعلیٰ ظالم کو مناسب سزا دی گئی ۔ علامہ اقبال فرماتے ہیں کہ اخوت ، حریت اور مساوات کے اصولوں پر کامزن اور توحید و رسالت کے عقائد کے تقاضوں پر متوجہ ملتِ اسلامیہ کو ، ہر اسلامی ملک اور پورے عالمِ اسلام کے پیمانوں پر متحد اور متفق رہنا ضروری ہے :

۶- ''بال جبریل'' ، ص ۲۲۲ -

۷- ''ضرب کلیم'' ، ص ۷۵ - ۷۶ -

ہے زندہ فقط وحدت افکار سے ملّت
وحدت ہو فنا جس سے وہ الہام بھی الحاد
وحدت کی حفاظت نہیں بے قوت بازو
آتی نہیں کچھ کام یہاں عقل خداداد[۸]

اسی لیے وہ بار بار زور دیتے ہیں کہ دامن دین کو مضبوطی سے تھاما جائے:

پھر سیاست چھوڑ کر داخل حصار دیں میں ہو
ملک و ملّت ہے فقط حفظِ حرم کا اک ثمر[۹]

پس پاکستان کے مسلمانوں کو اقبال نے دو طرح کی وحدت اور یکجہتی کا درس دیا ہے ایک ملکی حد تک یعنی پاکستان بھر کے مسلمان ایک دوسرے کو بھائی بھائی جانیں اور ہر قسم کی علاقائی اور ذات یا برادری کی حدود سے آزاد ہو کر اسلامی اخوت کا مظاہرہ کریں۔ دوسرے یہ کہ یہاں کے مسلمان عالمِ اسلام کے دیگر ممالک کے ساتھ ممکنہ حد تک تعاون اور اتحاد رکھیں اور دوسروں کے رنج و مسرت میں اپنے آپ کو برابر کا شریک جانیں۔ تقسیمِ ہند سے قبل کے برِصغیر اور اس کے بعد پاکستان کے مسلمان عالمی سطح پر مسلمانوں کے ساتھ اتحاد میں پیش پیش رہے، مگر ملکی پیمانے پر مثالی اتحاد میں ابھی مزید کوششیں کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ بعض غیر اسلامی تصورات اس کے سدِ راہ بن جاتے ہیں۔ اقبال کا منتہائے مقصود یہ ہے کہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں لوگوں کا انفرادی اور اجتماعی طور پر تعمیر اور تشکیل کرے اور اس مقصد کے لیے اس نے خودی اور بے خودی کا پروگرام پیش کیا ہے۔ ایک اسلامی مملکت میں غیرمسلم اقلیتیں محترم اور محفوظ رہیں گی۔ اقبال نے عظمتِ انسانی کا اسلامی تصور جس طرح یاد دلایا ہے اس سے وہ بھی بہرہ مند ہوں گی۔ اسی مناسبت سے اس راقم نے سہ ماہی مجلہ ''اقبال ریویو'' کی جولائی ۱۹۷۳ء کی اشاعت میں لکھا تھا کہ ''ہمارے معاشرے کی تعمیرِ نو کی خاطر کامل اتحاد کی ضرورت ہے تاکہ ہمارا قومی اور دینی وجود مشخص اور معین ہو سکے۔'' (صفحہ ۷۱)

۸۔ ایضاً، ص ۳۵۔
۹۔ ''بانگ درا''، ص ۳۰۱۔

اقبال پاکستان اور وحدتِ ملی کی اس مختصر بحث کا خاتمہ ہم اقبال کی انگریزی یاد داشتوں کے ایک اقتباس پر کر رہے ہیں جو شذرات فکرِ اقبال کے نام سے اُردو میں ترجمہ ہو چکی ہے اور حضرت علامہ اقبال نے انھیں ۱۹۱۰ء میں لکھنا شروع کیا تھا:

"—— آؤ ہم سب مل کر آگے بڑھیں، طبقاتی امتیازات اور فرقہ بندی کے بت ہمیشہ کے لیے پاش پاش کر دیں تاکہ اس ملک کا مسلمان ایک بار پھر ایک عظیم اور بامعنی قوت کی صورت میں متحد ہوں — ہمارے ملی اتحاد کا انحصار اس بات پر ہے کہ مذہبی اصول پر ہماری گرفت مضبوط ہو۔ جونہی یہ گرفت ڈھیلی پڑی ہم کہیں کے بھی نہیں رہیں گے۔"